

’صادق و امین‘ حاکم اور اسلامی شریعت

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی^o

۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کو اس فیصلے کی بنا پر اپنے عہدے سے معزول کر دیا کہ وہ آئین پاکستان کی دفعہ ۶۲ کے مطابق صادق اور امین نہیں رہے:

نواز شریف نے متحدہ عرب امارات میں قائم کمپنی ایف زیڈ ای میں اپنے اثاثوں کو ۲۰۱۳ء میں اپنے کاغذات نامزدگی میں ظاہر نہ کر کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے اور وہ اب پیپلز ایکٹ ۱۹۷۶ء کے سیکشن ۹۹ کی روشنی میں ایمان دار نہیں رہے، لہذا وہ پیپلز ایکٹ ۱۹۷۶ء کے سیکشن ۹۹ اور آرٹیکل ۶۲ (اے) کی روشنی میں پارلیمنٹ کے ممبر کے طور پر نااہل ہیں۔ الیکشن کمیشن نواز شریف کی نااہلی کا فوری نوٹیفکیشن جاری کرے۔ (روزنامہ نوائے وقت، ۲۹ جولائی ۲۰۱۷ء)

اس کے بعد سے مختلف سیاسی و سماجی حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آئین کے اس آرٹیکل ۶۲ کی کون سی ایک اہم ضرورت ہے، جس کی بنا پر ایک منتخب وزیر اعظم کو گھر بھیج دیا گیا۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہنے لگے کہ آئین میں ترمیم کر کے اس دفعہ کو حذف کرایا جائے کیوں کہ یہ مستقبل میں بھی کسی بھی حاکم کو معزول کرنے کا اختیار سپریم کورٹ کو دیتی ہے۔ دستور پاکستان کے آرٹیکل ۶۲ (۱) کا مستند متن یہ ہے:

کوئی [مسلم] شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہوگا، اگر:

^o اسسٹنٹ پروفیسر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

(د) وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

(ه) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم (Adequate knowledge of Islamic teachings) نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند، نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

(و) وہ سمجھ دار، پارسا نہ ہو اور فاسق ہو۔ اور ایمان دار اور امین (Honest and Ameen)

نہ ہو۔ عدالت نے اس کے برعکس قرار نہ دیا ہو۔ (۱۸ ویں ترمیم

۲۰۱۰ء، نمبر ۱۰ کی دفعہ ۲۰ کی رو سے آرٹیکل ۶۲ کو اس متن سے تبدیل کر دیا گیا)

سپریم کورٹ نے اپنے حالیہ فیصلے میں آرٹیکل ۶۲ کا اطلاق کرتے ہوئے لکھا کہ:

کاغذات نامزدگی میں اپنے اثاثوں کا ذکر نہ کرنا غلط بیانی ہے اور عوامی نمائندگی کے قانون کی خلاف ورزی ہے اور اس لیے وہ [وزیر اعظم] ’صادق نہیں‘۔

جسٹس آصف سعید کھوسہ نے شق ۶۲، ۶۳ کے بارے میں اپنے نوٹ میں لکھا کہ: ”آئین

میں دی گئی اصطلاحات میں ’صادق‘ اور ’امین‘ کی تشریح واضح نہیں ہے اور یہ بھی کہ کسی ایک مقدمے

کے شواہد اور واقعات پر ان کا کس طرح اطلاق ہوگا.... بظاہر لگتا ہے کہ ان شقوں کو آئین کا حصہ

بناتے ہوئے قرآن سے رہنمائی لی گئی ہے، جہاں انھوں نے لکھا کہ گھریلو ملازم کے لیے ’قوی الامین‘

اور وسائل کی حفاظت پر مامور کیے جانے والے افراد کے لیے ’حفیظ الامین‘ کی اصطلاحات استعمال

کی گئی ہیں۔..... آئین میں ان شرائط کا مطلب یہ یقینی بنانا تھا کہ صرف اچھے اور نیک مسلمان ہی

اسمبلیوں تک پہنچیں اور وہ لوگ ریاست پاکستان میں اللہ کی حاکمیت ایک امانت کے طور پر

نافذ کر سکیں.... ان کے مطابق شق ۶۲ کا اطلاق کسی شخص کے ذاتی کردار کے مقابلے میں

عوامی کردار تک محدود رکھنا جس سے دوسرے لوگ متاثر ہوتے ہوں فائدہ مند اور قابل عمل

ہے۔“ (بی بی سی، ۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء)

یہاں بعض لوگوں (بشمول سابق وزیر اعظم) کا خیال ہے کہ ”جس شخص کو عوام منتخب کریں،

اس کو امین نہ ہونے کے نام پر حکومت سے خارج کرنا عوامی مینڈیٹ کی توہین ہے، اس کا راستہ

بند کرنا ہوگا۔“ ان کے موقف کی بنیاد یہ ہے کہ جمہوریت دراصل عوامی حاکمیت کا نام ہے، اور

عوام اپنے حکام جس کو چاہیں منتخب کریں، یہی جمہوریت ہے۔

اس بات کی وضاحت یوں ہے کہ:

- عوامی حاکمیت کا ایک اظہار ووٹ سے ہوتا ہے، اور دوسرا دستور سے۔ اور جب دستور پاکستان کی اٹھارہویں ترمیم (اپریل ۲۰۱۰ء) کے ذریعے عوامی نمائندوں (بشمول وزراء حکومت) نے صادق و امین اور دیگر شرائط کو مزید تفصیلات کے ساتھ متعین کر دیا ہے، تو یہی وہ باضابطہ قانون ہے جو عوامی حاکمیت کا مظہر ہے۔ بالفاظ دیگر عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں پہنچ کر جو قانون سازی کرتے ہیں، وہی عوام کی حقیقی ترجمانی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ووٹ عوام کی علاقائی نمائندگی کرتا ہے جس کے بعد پارلیمنٹ میں بننے والا قانون انھی عوامی نمائندوں کی ووٹنگ کے نتیجے میں منظور ہوتا ہے اور وہی برتر عوامی حاکمیت کا مصداق ہے۔
- پاکستان میں صرف ’جمہوریت‘ نہیں ہے بلکہ ’اسلامی جمہوریت‘ کا نظام ہے، جب کہ امریکا اور بھارت میں طحانہ جمہوریت ہے۔ پاکستانی دستور نے متعدد دفعات کے ذریعے اس امر کو تحفظ دے رکھا ہے کہ یہاں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اگر پارلیمنٹ عوامی حاکمیت کے نام پر غاشی یا ہم جنس پرستی کے جواز کا قانون بنانا چاہے تو وہ ۲-الف، ۲۲۷، ۲۰۳ اور بہت سی دیگر دفعات اور اپنے عہدے کے حلف کی بنا پر ایسا نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر یہ نری عوامی حاکمیت کے نام پر عوام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی منشا کے خلاف نہیں جاسکتے۔ اور یہی پاکستان کی اہم ترین نظریاتی بنیاد ہے۔
- پانامہ کیس کے فیصلے اور وزیر اعظم نواز شریف کی نااہلی سے قطع نظر، ضرورت اس امر کی ہے کہ جائزہ لیا جائے کہ عہدوں اور امین و امانت کے حوالے سے قرآن و سنت مسلمانان پاکستان سے اصولاً کیا مطالبہ کرتے ہیں، اور اسلامی شریعت میں امانت کے کیا کیا تقاضے ہیں؟ اس میں خیانت کا کون کون سا پہلو قابل ذکر ہے؟ اس قانون کی اہمیت اس بنا پر بھی غیر معمولی ہے کہ اس کی روح پر حقیقی طور پر عمل پیرا ہو کر پاکستانی مقننہ میں ایسے اہل حل و عقد پہنچ سکتے ہیں جو شریعت پر عمل پیرا اور اس کا خاطر خواہ علم رکھتے ہوں، جو بظاہر سیکولر جمہوریت میں ایک خواب ہی ہو سکتا ہے۔
- اس سلسلے میں درج ذیل نکات ایک مفصل استدلال فراہم کرتے ہیں، جس میں اہل بصیرت

کے لیے بے پناہ عبرت اور اسلامی نظام سیاست کی بیش قیمت تفصیلات ہیں:

قرآن و حدیث میں قائدانہ اوصاف و اہلیت

قرآن کریم میں مذکور کئی واقعات میں قیادت کے تعین کے بارے میں رہنمائی موجود ہے: بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے نبی سیموئل کے ذریعے جب حاکم کا تعین فرمایا تو ارشاد ہوا: **وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ط قَالُوا أَأَتَىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ط قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرة: ۲۴۷)** ان کے نبی نے ان سے کہا کہ ”اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔“ وہ کہنے لگے: ”بھلا ہم پر حکومت کا حق دار وہ کیسے بن گیا؟ اس سے زیادہ تو ہم خود حکومت کے حق دار ہیں اور اس کے پاس تو کچھ مال و دولت بھی نہیں۔“ نبی نے کہا: ”اللہ نے تم پر حکومت کے لیے اسے ہی منتخب کیا ہے۔ اور علمی اور جسمانی اہلیت اسے تم سے زیادہ دی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی حکومت دے دے، وہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”بادشاہ ہونے کے لیے اس علم کی ضرورت زیادہ ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بھی بایں معنی مناسب ہے کہ موافق و مخالف کے قلب میں وقعت و ہیبت پیدا ہو۔“ اس آیت میں علم اور جسم کی برتری کو حکومت ملنے کی وجہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ رعایا کے مطالبے: ’مال میں کثرت‘ کی نفی کی گئی ہے۔

سیدنا یوسفؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے مصر میں حکومت دی، وہ قرآنی مکالمہ یوں ہے: **وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ اَسْتَغْلِصْهُ لِنَفْسِی ۚ فَلَمَّا كَلَّمَتْهٖ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدِنَا مَكِينٌ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَافِیْظٌ عَلَیْہُمْ (یوسف: ۵۴-۵۵)** یوسفؑ کہنے لگے: مجھے زمین کے خزانوں کا نگران مقرر کر دیجیے، میں ان کی حفاظت کرنے والا ہوں اور (یہ کام) جانتا بھی ہوں۔

مدینہ یونیورسٹی کے استاذ حدیث، شیخ ربیع ہادی مدخلی اس واقعے کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”اگر اسلامی حکومت قائم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اس کے بس میں ہے۔ ایسی حالت میں مسلمان کسی بھی غیر مسلم حکومت کا عہدہ اس شرط پر قبول کر سکتا ہے کہ وہ انصاف پر قائم رہے گا، اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت نہیں کرے گا۔ اور اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ نہیں کرے گا، جیسا کہ سیدنا یوسفؑ نے کیا، جب آپؑ نے ایک کافر بادشاہ کی نیابت کا منصب سنبھالا جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ^ط (یوسف ۷۶:۱۲) آپؑ اپنے بھائی (بنیامین) کو بادشاہ کے دین (قانون) کی رُو سے روک نہیں سکتے تھے، مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔ لیکن آپؑ کافر نظام حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز رہتے ہوئے بھی رعایا کے مابین انصاف کرتے رہے، اور انھیں توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اس میں ان لوگوں کی زبردست تردید ہے، جو عقیدہ توحید کو ہیچ سمجھتے ہوئے شرک اور اہل شرک سے تال میل رکھنے اور پیٹنگیں بڑھانے (عہدے قبول کرنے) کی بات کرتے ہیں۔“ (منہج الانبياء في الدعوة الى الله، ص ۱۰۴، ناشر: مکتبہ احیاء منہج السلف ۲۰۱۱ء)

اس آیت کریمہ میں سیدنا یوسفؑ نے اپنے ذمہ دار ہونے پر جو استدلال قائم کیا، وہ حفیظ و علیم کا ہے، جب کہ عزیز مصر نے ان کی اہلیت کو یوں ذکر کیا کہ آج تو ہمارے نزدیک قدر و منزلت والا اور امانت دار ہے۔ گویا کہ یہاں سے چار لوصاف حاصل ہوئے اور قرآن نے کسی کی تردید نہیں کی۔

سیدنا موسیٰؑ کو جب مصر سے نکلنا پڑا اور وہ مدین کی سرزمین میں گئے تو وہاں انھیں شعیب نامی ایک بزرگ شخصیت نے اپنے ہاں ملازمت دی۔ اس موقعے کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں ہے:

قَالَتْ اخْلُصْ لِيَاكِبْتَ اسْتَأْجِرْكَ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِينُ ○
(القصص ۲۸:۲۶) ان میں سے ایک بولی: ابا جان، اسے آپ اپنا ملازم رکھ لیجیے۔

بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھنا چاہیں، وہی ہو سکتا ہے جو طاقت ور اور امین ہو۔

اس آیت کریمہ میں کسی ذمہ داری کے لیے امین اور قوی کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا عبد الرحمن کیلانی لکھتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ ملازمت کے لیے دو

باتوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ جس کام کے لیے کوئی شخص ملازم رکھا جا رہا ہے، وہ اس کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر اس کام کا اسے پہلے سے کچھ علم اور تجربہ ہے؟ اور اگر کوئی محنت والا کام ہے تو کیا اس کی جسمانی حالت اور قوت اتنی ہے کہ وہ اس کام کو بجالا سکے۔ دوسرے یہ کہ وہ دیانت دار اور امین ہو.... اب تعجب کی بات یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نجی یا گھریلو ملازم رکھنا ہو تو وہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھتا ہے، جب کہ سرکاری ملازمتوں کے وقت صرف شرط اول، یعنی اہلیت کو تو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور دوسری شرط کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ملازم رکھنے والے افسروں میں بھی یہ دوسری شرط مفقود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رشوت عام ہو جاتی ہے، جس کا تعلق ملازمین سے ہی ہوتا ہے۔ لوگوں کے حقوق غصب اور تلف ہوتے ہیں۔ ظالمانہ قسم کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور عوام کے لیے اتنی شکایات اور مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جن کا حل ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ شرائط ملازمت میں سے دوسری شرط یعنی دیانت و امانت کو درخور اعتنا سمجھا ہی نہیں جاتا۔“ (تفسیر تیسیر القرآن، سوم، ص ۴۲۵)

روح القدس سیدنا جبریلؑ کو اللہ جل جلالہ نے بہت بھاری ذمہ داری دی رکھی، یعنی انبیائے کرامؑ تک اللہ تعالیٰ کا پیغام رسالت پہنچانا۔ اس اہم ترین ذمہ داری کے لیے ان کا جو وصف قرآن کریم نے ذکر کیا، ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ (التکوید ۸۱: ۱۹-۲۱) یہ ایک معزز رسول کا قول ہے جو بڑا طاقت ور اور صاحبِ عرش کے ہاں بڑے رتبے والا ہے۔ وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے، با اعتماد ہے۔

وَأَنَّهُ لَتَتَّخِذَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۹۲-۱۹۴) بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ جسے روح الامین لے کر آپ کے دل پر نازل ہوا، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں شامل ہو جائیں۔

سیدنا جبریلؑ کے لیے ’امین‘ کا لفظ مالی امانت کے بجائے سراسر اس فرض رسالت کی تکمیل پر بولا گیا، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کو سونپا تھا۔ ثابت ہوا کہ ’امین‘ کا مفہوم بہت جامع اور وسیع تر ہے۔ سید المرسلین نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو لقب ہی صادق و امین ہے۔ جب بیت اللہ کی تعمیر نو کے بعد حجر اسود کو رکھنے کا مرحلہ آیا تو بولے: الْأَمِينُ وَكَانُوا يُسَبِّحُونَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْأَمِينِ فَقَالُوا يَا مُحَمَّدٌ قَدْ رَضِينَا بِكَ ”یہ تو امین آئے ہیں اور جاہلیت میں آپ کو امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ہم آپ پر خوش ہیں“۔ (مستدرک حاکم، اول، ص ۲۲۸، مسند احمد، ج ۲۴، ص ۲۶۲)

آپؐ نے سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے پہلے جب کاروبار کیا، تو پوری امانت داری کا مظاہرہ کیا۔ ایک موقع پر کسی نے آپؐ کی تقسیم پر اعتراض کیا تو آپؐ نے فرمایا:

أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينٌ مِّنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً (بخاری، رقم ۴۳۵۱) تم مجھے کیوں امین نہیں سمجھتے، حالانکہ اس اللہ نے مجھے امین قرار دیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی خبریں میرے پاس صبح و شام آتی ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ایک حدیث کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

قَدْ عَلِمَ أَنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ لِلَّهِ، وَأَدَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ، (جامع ترمذی: رقم ۱۲۱۳، سنن نسائی: ۷/ ۲۹۴) اے خوب معلوم ہے کہ میں لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور امانت کو سب سے زیادہ ادا کرنے والا ہوں۔

توحید و رسالت کی دعوت پر مشرکین مکہ کی شدید ناراضی کے باوجود، کفار قریش آپؐ کے پاس ہی اپنی امانتیں رکھواتے تھے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت مدینہ پر مجبور ہونا پڑا تو آپؐ نے سیدنا علیؑ کو پیچھے چھوڑا تاکہ وہ آپؐ کی امانتیں اصل مالکوں کو ادا کر کے آئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہی امانت تھا، جیسا کہ نجاشی کے سامنے پیغام نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا جعفر طیارؑ کہتے ہیں:

حَتَّى بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِّثْلًا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعِفَافَهُ. وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجَوَارِ، حَتَّى كَـ

اللہ نے ہم میں ایک رسول کو مبعوث فرمادیا، جس کے نسب و صداقت اور عفت و امانت کو ہم جانتے پہچانتے ہیں۔ اس نے ہمیں سچائی، امانتوں کی ادا کیگی، صلہ رحمی اور ہمسایے سے حسن سلوک کا درس دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

اور قیصر روم ہرقل نے اپنے دربار میں ابوسفیان کو جواب دیتے ہوئے کہا:

وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْعَقَابِ وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ. قَالَ: وَهَذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ (بخاری، کتاب الجہاد: ۲۹۴۱) تمہیں وہ نماز، صدقہ، پاک بازی، ایفاء عہد اور اداے امانت کا حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ایک نبی کی یہی صفت ہے۔

قرآن کریم میں سیدنا ہودؑ کا یہ فرمان موجود ہے:

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِي وَ أَتَاكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ○ (اعراف: ۷: ۶۸) میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امین و خیر خواہ ہوں۔

یہاں ’امانت‘ سے مراد اللہ کے پیغام اور رسالت کی مکاحقہ تبلیغ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسی امانت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سیدنا نوحؑ نے اپنی دعوت کو ان الفاظ میں پیش کیا:

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ○ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ○ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ○ (الشعراء: ۲۶-۱۰۶-۱۰۸) جب ان کے بھائی نوحؑ نے انہیں کہا: اللہ کا تقویٰ کیوں اختیار نہیں کرتے۔ میں تمہاری طرف امانت دار پیغمبر ہوں۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

یہی بات سیدنا ہودؑ اور سیدنا موسیٰؑ سمیت سب پیغمبروں نے اپنی قوم سے کہی اور یہ جملہ سورۃ الشعراء میں پانچ انبیاء کی زبانی آیا ہے: إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ○ (الشعراء: ۲۶-۱۰۷-۱۰۸، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۶۲، ۱۷۸) ”میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔“

أَنْ أَكُونَا إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ ○ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ○ (الدخان: ۴۳-۱۸) اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو، میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔

سیدنا علیؑ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ تُؤَمِّرُ بَعْدَكَ؟ قَالَ: إِنْ تَوَمَّرُوا أَبَا بَكْرٍ، تَجِدُوهُ أَمِينًا، زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا، رَاغِبًا فِي الْآخِرَةِ، وَإِنْ تَوَمَّرُوا عُمَرُ تَجِدُوهُ قَوِيًّا أَمِينًا، لَا يَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَاحِظَةً، وَإِنْ تَوَمَّرُوا عَلِيًّا، وَلَا أَرَاكُمْ فَاعِلِينَ - تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا، يَأْخُذُ بِكُمْ الظَّرِيقَ الْمُسْتَقِيمَ (مسند احمد: ۸۵۹) آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں تو آپ بولے: اگر ابوبکر کو بناؤ گے تو ان کو امین اور دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا متلاشی پاؤ گے۔ اگر عمر کو بناؤ گے تو انھیں امین اور طاقت ور پاؤ گے جو اللہ کے دین میں کسی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اگر تم علی کو بناؤ گے اور مجھے نہیں لگتا کہ تم ایسا کرو تو انھیں رہنما اور ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستے پر لے جائے گا۔

سیدنا سلیمانؑ کے سامنے جس دیوبہیکل جن نے ملکہ سبا کا تخت لانے کی ذمہ داری کا دعویٰ کیا تو اپنی اہلیت یوں بیان کی:

قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ اَنَا اَتَيْتُكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَارِنِّ عَلَيَّهٖ لَقَوِيْٓ اَمِيْنٌ (النمل ۲: ۳۹) ایک دیوبہیکل جن نے کہا: آپ کے دربار کو برخواست کرنے سے پہلے میں اسے لاسکتا ہوں۔ میں اس کام کی پوری قوت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اپنا عامل و گورنر بنا کر بھیجتے، ان کی شان کیا ہوتی؟ سیدنا حدیفہؓ بن یمان سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے اہل نجران کو فرمایا:

لَا تَبْعُنِيْ اِلَيْكُمْ رَجُلًا اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا اَصْحَابُ النَّبِيِّ فَبَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ (بخاری: رقم ۷۲۵۴) میں تمہارے پاس ایک امانت دار آدمی جو حقیقی امانت دار ہوگا بھیجوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ منتظر رہے (کہ کون اس صفت سے موصوف ہے؟) تو آپؐ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو بھیجا۔

آپؐ نے سیدنا ابوعبیدہ بن جراحؓ کو اپنی امت کا امین (اَمِيْنٌ هٰذِهِ اَلْاُمَّةُ) کا لقب دیا (بخاری: رقم ۴۳۸۲)۔ اور سیدنا عمرؓ نے کہا کہ اگر آج ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں خلافت کی

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، نومبر ۲۰۱۷ء ۴۴ 'صادق و امین' حاکم اور شریعت

ذمہ داری ان کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اپنی حکومتوں و مناصب میں پوری طرح امانت دار تھے، چنانچہ جب سیدنا عمرؓ کو مسجد نبویؐ میں شدید زخمی کر دیا گیا تو سیدنا ابن عباسؓ سب سے پہلے ان کے پاس پہنچے اور ان کو تسلی دی، جن میں سے ایک بات یہ بھی تھی: **وَوَلَّيْتُ أَمْرَ الْمُؤْمِنِينَ فَقَوِيَّتْ، وَأَدَيْتِ الْأَمَانَةَ،** ”آپ مومنوں کے حاکم بنے تو وہ طاقت ور ہو گئے اور آپ نے امانت کو خوب ادا کیا۔“

جس کا جواب سیدنا عمرؓ نے یوں دیا:

وَأَمَّا قَوْلُكَ فِي أَمْرِ الْمُؤْمِنِينَ، فَوَاللَّهِ لَوِ دِدْتُ أَنَّ ذَلِكَ كِفَافًا لَالِي وَلَا عَلَى.....

(مسند احمد، اوّل: ۴۷، بخاری، اوّل: ۲۹۵) جہاں تک آپ کی مسلمانوں کی

ذمہ داری پورا کرنے کی بات ہے تو میری تمنا ہے کہ اس میں برابر جھوٹ جاؤں، نہ میرا

کوئی حق ہو اور نہ ان کا مجھ پر کوئی حق رہے۔

خلفائے راشدینؓ اپنی شوربہ (اہل الحل والعقد) میں جن لوگوں کو شامل رکھتے، ان کا لازمی

وصف کیا تھا؟

وَكَانَتْ الْأَمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ يَسْتَشِيرُونَ الْأَمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْأُمُورِ

الْمُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا..... (بخاری: رقم ۷۲۵۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد جتنے امام اور خلیفہ ہوئے، وہ اہل علم میں سے امانت داروں سے جائز کاموں

میں مشورہ لیا کرتے تاکہ آسان تر حل کو اختیار کریں۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے علم ہوا کہ عہدہ یا ذمہ داری کی شرعی صفات حسب ذیل ہیں:

• امین: جیسا کہ نبی کریمؐ، جبریلؑ، سیدنا موسیٰؑ، حضرت یوسفؑ و جملہ انبیاء و خلفاء کے لیے ذکر ہوا۔

• صادق: جیسا کہ کوہ صفا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صادق ہونے کا حوالہ دیا،

اور سیدنا اسماعیلؑ اور سیدنا یوسفؑ کو قرآن مجید نے صادق قرار دیا۔ بہت سے انبیاء صدیق

کہلائے۔ (اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِي؟ صحیح بخاری: رقم ۴۹۷۱، سورہ یوسف: ۲۷، ۵۱ اور سورہ مریم: ۵۴)

• حفیظ: جیسا کہ سیدنا یوسفؑ کے بارے میں آیا۔

- علم: جیسا کہ سیدنا یوسفؑ اور بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان ہوا۔
 - طاقت ور (قوی): جیسا کہ سیدنا جبریلؑ اور سیدنا موسیٰؑ کے بارے میں ذکر ہوا۔
 - جسم: جیسا کہ بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان ہوا۔
 - مکیں (وجاہت): جیسا کہ سیدنا یوسفؑ اور جبریلؑ امین کے بارے میں پتا چلا۔
- دوسری اور تیسری صفت صادق اور حفیظ امین کے قریب المعنی ہیں، کیوں کہ امانت سے مراد زبان و بیان کی صداقت اور امانات کی حفاظت بھی ہے، جب کہ قوت کے تحت پانچویں اور چھٹی صفت جسم اور علم بھی آسکتی ہیں اور اَلِیْت یا اَصْلَحِیْت کا لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جس میں مناسبت کے لحاظ سے ہر وصف شامل ہے۔

’امین و امانت‘ کا شرعی و سیاسی مفہوم

مذکورہ بالا صفات میں اصل صفت ’امین‘ کی ہے اور یہ ہر قسم کی ذمہ داری، عہدے اور منصب کا اصل الاصول ہے۔ قرآن کریم کی آیت الامرا میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ (النساء: ۵۸:۴)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حق دار ہیں، انہیں یہ امانتیں ادا کرو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی تم ان بڑائیوں سے بچے رہنا، جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انھوں نے اپنے انحطاط کے زمانے میں امانتیں، یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیے، جو نا اہل، کم ظرف، بد اخلاق، بد دیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ [یہاں پر] مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا، بلکہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جو ان کے اہل ہوں، یعنی جن میں بارِ امانت اٹھانے کی صلاحیت ہو۔ بنی اسرائیل کی دوسری بڑی کمزوری یہ تھی کہ

وہ انصاف کی روح سے خالی ہو گئے تھے۔ وہ شخصی اور قومی اغراض کے لیے بے تکلف ایمان نکل جاتے تھے۔ صریح ہٹ دھرمی برت جاتے تھے۔ انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے میں انھیں ذرا تامل نہ ہوتا تھا.... اللہ تعالیٰ ان کی اس بے انصافی پر تنبیہ کرنے کے بعد ان مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ تم کہیں ایسے بے انصاف نہ بن جانا۔ خواہ کسی سے دوستی ہو یا دشمنی، بہر حال بات جب کہو انصاف کی کہو اور فیصلہ جب کرو، عدل کے ساتھ کرو۔ (تفہیم القرآن، اول، ص ۳۶۲-۳۶۳)

□ حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ ان امانتوں کے [بالخصوص] امین وہ حکام اور افسر ہیں، جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں۔ ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں، جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدے کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

□ کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے: اعلیٰ درجے کی اہلیت اور سب شرائط کا جامع کوئی فرد نہ ملے، تو موجود لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو، پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ نہ اس کا فرض مقبول ہے اور نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد، ص ۵۲۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (مسند احمد: رقم ۱۲۳۸۳، حسن) ”اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔ اور جو عہدہ کی پاس داری نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔“

’امانت‘ کا ایک مفہوم تو عام معروف ہے: ہر کُلُّ حَقٍّ لَزِمَكَ أَدَاؤُهُ وَحِفْظُهُ (فیض القدیر، اول، ص ۲۸۸) ”یعنی ہر ایسا حق کہ جس کو ادا کرنا اور اس کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔“ لیکن قرآن کریم اس کو وسیع تر معانی میں استعمال کرتا ہے، جس میں دینی و شرعی امانت، منصبی امانت اور مالی امانت سب شامل ہیں۔ چنانچہ امانت کی شرعی تعریف یہ ہے:

کُلُّ مَا افترض على العباد فهو أمانة، كصلاة وزكاة وصيام وأداء دين، وأوكدها الودائع وأوكد الودائع كتم الأسرار (الکليات القاضی، ص ۷۶، ۱۸۶)، ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہے، وہ امانت ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور قرض وغیرہ کی ادا کیگی۔ اور اس میں اہم ترین امانت میں رکھی گئی چیزوں کی ادا کیگی ہے اور سب سے بڑی امانت رازوں کی حفاظت ہے۔

مفسر قرآن امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ”امانت دین کے تمام امور کو شامل ہے۔ اور یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔ امانت وہ فرائض ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو محافظ بنایا ہے۔ تاہم، امانت کی جزئیات میں ایک سے زیادہ اقوال ہیں، کہا کہ اس سے مراد امانت شدہ اموال اور سامان وغیرہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ تمام فرائض دینیہ ہیں جن میں مالی امانت اہم ترین ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ روزے، غسل جنابت اور شرم گاہ امانت ہے۔ کان، آنکھ، زبان، پیٹ، ہاتھ اور ٹانگیں بھی (اللہ کی طرف سے) امانت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس کا کوئی ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس و لحاظ نہیں۔ اور کہا گیا کہ یہ وہی امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین، پہاڑ اور جملہ مخلوقات کو سونپی کہ ان پر اپنی ربوبیت کے دلائل پیش کر کے انھیں اپنے اوپر ظاہر کرنے کا پابند کیا تو ان سب نے اپنی ذمہ داری قبول کر کے اس ربوبیت کو ظاہر کیا اور انسان نے اس کو چھپایا اور انکار کیا۔ ایسا کرنے والا انسان کافر اور منافق ہے“۔ (تفسیر القرطبی، ۱۴، ص ۲۵۳-۲۵۸)

امین و امانت، اسلامی شریعت کی اہم اصطلاح ہے۔ اور اس کے مفہیم کو واضح کرنے کے لیے اس کو تین بڑے عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلی قسم: امانت شرعیہ

عوام کے لیے امانت سے مراد دراصل وہ سب سے بڑی امانت ہے، جو اللہ نے بنی نوع انسانیت کو دی، اور وہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (احزاب ۷۲: ۷۳)،

ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

مولانا مودودی نے اس ضمن میں لکھا ہے: ”اس جگہ ’امانت‘ سے مراد وہی ’خلافت‘ ہے جو قرآن مجید کی رو سے انسان کو زمین میں عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو طاعت و معصیت کی جو آزادی بخشی ہے، اور اس آزادی کو استعمال کرنے کے لیے اسے اپنی بے شمار مخلوقات پر تصرف کے جو اختیارات عطا کیے ہیں، ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے اختیاری اعمال کا ذمہ دار قرار پائے اور اپنے صحیح طرز عمل پر اجر کا اور غلط طرز عمل پر سزا کا مستحق بنے۔ یہ اختیارات چوں کہ اللہ نے اسے دیے ہیں، اور ان کے صحیح و غلط استعمال پر وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہے، اس لیے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ان کو ’خلافت‘ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہاں انھی کے لیے ’امانت‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے..... [اس سے] آدمی اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کائنات میں کس نازک مقام پر کھڑا ہوا ہے“۔ (تفہیم القرآن، چہارم، ص ۱۳۶-۱۳۷)

امین، یعنی ’امانت‘ سے مراد دراصل اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ ہے، اور وہی شخص اصل امین ہے، جو سب سے بڑی امانت اور دنیا میں آنے کے مقصد سے آگاہ ہے۔ اس امانت سے مراد کلمہ طیبہ ہے، یعنی اللہ کی اطاعت کو قبول کرنے کا حلف اٹھانا۔ مفسر قرآن حافظ نیشاپوری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”امانت سے مراد اطاعت اور مکلف ہونا ہے.... یہ مکلف بنانا صرف انسان کے لیے ہے۔ اور اس مکلف بنانے کو امانت اس لیے قرار دیا گیا، کہ جو اس میں کوتاہی کرے گا، اس پر سزا ہے۔ اور جو ادا کرے گا تو اس کے لیے عزت افزائی ہے۔ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ مکلف بنانے سے مراد انسان کا کلمہ طیبہ کا اقرار کر لینا، یعنی اسلام قبول کر لینا ہے“۔ (تفسیر نیشاپوری، ۱۰، ص ۳۴-۳۵، حاشیہ ۲۲)

حافظ نیشاپوری کا موقف کہ اس امانت سے مراد کلمہ طیبہ ہے، پوری وضاحت کرتا ہے کہ اس امانت کا امین شخص وہی ہے جو کلمہ طیبہ کا معترف ہے، باقی لوگ امین نہیں۔ نوع انسانی کا ’حمل امانت‘ اجمالاً اخذِ یشاق سے قبل تھا، اور تفصیلاً مسلمانوں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اس اقرار کی

تصدیق کی۔ انسان کے لیے ظَلُمًا جَہولًا اس لیے فرمایا گیا ہے کہ انسانوں میں بھی اس امانت کو اٹھانے کی اہلیت موجود ہے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے ایمان کو قرآن نے مثالی ایمان اور اہل اسلام کے لیے سنتِ مطلوبہ قرار دیا ہے، لیکن ظلم و جہالت کی بنا پر انسان اس امانت کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ اسی بنا پر اس کے لیے روزِ قیامت جزا و سزا ہے۔

دوسری آیت میں قرآن کریم کو اس ’امانت‘ کا مصداق بتایا گیا کہ

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَتْهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ
وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبَ بِهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الحشر ۵۹: ۲۱)، اگر ہم
اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا
ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ
غور و فکر کریں۔

کلمہ طیبہ یا قرآن کریم، دونوں کا مصداق ایک ہی ہے، یعنی اسلامی شریعت پر عمل کرنے کا
اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرنا اور یہی اصل شرفِ انسانیت ہے، جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر
انسان کو فضیلت دے کر دنیا میں بھیجا کہ انسانوں میں بعض لوگ اللہ کی امانت کو قبول کرتے ہوئے،
ہر حالت میں اس کی بندگی کریں گے۔ اس امانت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:
”اس سے مراد انسان کو اوامر و نواہی کا یوں مکلف بنانا ہے کہ اگر انسان ان کو پورا کرے تو اس کو
ثواب ملے گا، ورنہ سزا کا مستحق ٹھیرے گا“۔ (تفسیر ابن اثیر، سوم، ص ۵۳۰)

الغرض امانت کی تفسیر شرعی اوامر و نواہی کی پابندی قبول کرنا ہے، اور یہی موقفِ خبرِ الامتہ
سیدنا ابن عباسؓ، حسن بصریؒ، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم، ابن زید اور اکثر مفسرین رحمہم
اللہ کا ہے۔ (جاری)